الجزء المفقود کا ناقدانہ جائزہ

مولانا محمد داؤد ارشد
نظر ثانی: مولانا ارشاد الحق اثری

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس امت کو جن خصائص اور اعزازات سے نوازا ہے، ان میں سے ایک عظیم الشان خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو خاتم النبیین سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرامین کو بالاسناد محفوظ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس امت کے علاوہ پہلے جتنی امتیں ہوگزری ہیں، کسی کو اپنے نبی کے آثار و ارشادات متصل سند کے ساتھ جمع کرنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی۔ امام عبداللہ بن مبارکؒ کا فرمان ہے کہ:

الاسناد من الدین ولو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء (مقدمہ مسلم: ۱/۱۲)

''اسناد'' دین میں سے ہیں، اگر سند نہ ہوتو ہر کوئی جو چاہے کہے۔

خطیب بغدادیؒ نے الکفایۃ ص ۳۹۳ میں ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے ''جو شخص دینی امور کو بلا سند لیتا ہے، وہ اس شخص کی مانند ہے جو چھت پر بغیر سیڑھی کے چڑھتا ہے''۔ سند کا یہ اہتمام احادیث و آثار تک ہی محدود نہیں بلکہ لغت، شعر وادب، تاریخ و رجال بھی بالاسناد بیان کئے جاتے ہیں۔ سند کے اسی اہتمام کی بنا پر کتب مصنفہ کی روایت بھی قرناً بعد قرن بالاسناد ہوتی رہی، بلکہ کتاب کی ابتداء یا اس کے اختتام پر اس کی مسموعات کو بھی ناسخین نے سند کے اہتمام کی بنا پر محفوظ کیا اور کتاب نقل کرنے کے اصول وضوابط مقرر کئے، نقل شدہ نسخہ کی صحت اور عدم صحت متعین کی، جس کی تفصیل **الکفایہ، الجامع لأخلاق الراوی والسامع الإلماع فی ضبط الروایۃ وتقیید السماع** اور **علوم الحدیث لابن الصلاح** وغیرہ کتب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

سند اور کتاب کی اس قدر حفاظت و صیانت کے باوصف وضاعین و کذابین اور متساہلین سے جو باتیں صادر ہوئیں وہ بڑی حیرت ناک اور عجیب ہیں۔ شیوخ اور محدثین کی روایات میں اپنی روایت بنا کر داخل کردینا، کتابیں لکھ کر ثقہ محدثین اور اہل علم کی طرف منسوب کردینا، محدث کی کتاب میں اپنے لکھے ہوئے اجزا شامل کرکے باور کرانا کہ یہ بھی اس کا حصہ ہے، کذابین اور ضعفا کا مشغلہ رہا ہے جس کی تفصیل بڑی طویل ہے۔ اس حوالے سے شائقین سفیان بن وکیع، قیس بن ربیع الاسدی، عبداللہ بن صالح، حبیب بن ابی حبیب الوراق اور خالد بن نجیح کے تراجم ملاحظہ فرمائیں۔

یحییٰ بن حسان کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا ایک جماعت کے پاس ایک جز تھا جسے اس نے ابن لہیعہ سے سنا تھا۔ میں نے اسے دیکھا تو اس میں (حقیقۃً) ایک حدیث بھی ابن لہیعہ کی نہ تھی۔ میں پھر ابن لہیعہ سے ملا تو انہیں اس کی اطلاع دی۔ انہوں نے فرمایا: میں کیا کروں، میرے پاس کتاب لے کر آتے ہیں تو کہتے ہیں: یہ آپ کی احادیث ہیں (انہیں بیان کیجئے) تو میں انہیں بیان کردیتا ہوں۔ حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں: اسی نوعیت کا واقعہ ہمارے شیوخ میں ہوتا ہے۔ (مقدمہ ابن الصلاح: ص ۱۸۷)

حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے کہ امام معمر کا بھتیجا رافضی تھا۔ امام معمر اسے اپنی کتابیں پکڑادیتے، اس نے ایک حدیث امام معمر کی کتاب میں داخل کردی (التہذیب: ج ۱، ص ۱۲) وہ روایت امام معمر نے امام عبدالرزاق سے بیان کی، جسے انہوں نے بیان کیا۔ جس کی تفصیل التہذیب وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حاجی خلیفہ نے مقدمۃ ابن اللیث کی شرح، جو شیخ مصلح الدین مصطفیٰ بن زکریا التوفی ۸۰۹ھ نے کی اور اس کا نام التوضیح رکھا، کے بارے میں علامہ شعرانی سے نقل کیا ہے کہ یہ شرح بڑی عظیم ہے۔ اس کے مولف مصر گئے تو بعض حاسدین نے ان کی کتاب میں ایک عبارت داخل کردی جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توہین ہوتی تھی، اسی بناپر انہوں نے ان کے کفر اور قتل کا فتویٰ دیا۔ شیخ مصلح الدین نے وہاں سے بھاگ کر جان بچائی (کشف الظنون: ج ۲، ص ۱۷۹۵)

علامہ شعرانی نے الیواقیت والجواھر / ج ۱، ص ۷ میں ذکر کیا ہے کہ شیخ ابن عربی کی فتوحات میں جو عبارتیں ظاہر شریعت سے معارض ہیں، وہ سب دسیسہ کاری ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ مجھے اس حقیقت سے سیدی ابو طاہر مغربی نے آگاہ کیا جو اس وقت مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ انہوں نے مجھے فتوحات کا وہ نسخہ دکھایا جس کا مقابلہ انہوں نے قونیہ میں ابن عربی کے ہاتھ سے لکھے ہوئے نسخے سے کیا۔ اس نسخہ میں وہ فقرات نہیں تھے جو میرے نسخہ میں تھے اور میں نے ان فقروں میں توقف کیا تھا۔ اسی طرح انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ملاحدہ اور زنادقہ نے امام احمد، علامہ مجد الدین فیروز آبادی اور

امام غزالیؒ کی تصانیف خصوصاً احیاء العلوم میں تدسیس کی۔ وہ لکھتے ہیں کہ باطنیہ کے ایک شخص نے ایک کتاب لکھ کر میری طرف منسوب کر دی اور تین سال تک یہ کتاب میری زندگی میں متداول رہی۔ زنادقہ نے امام احمد کے مرض الموت کے ایام میں ایک کتاب لکھ کر پوشیدہ طور پر ان کے تکیے کے نیچے رکھ دی، اگر امام احمد کے تلامذہ ان کے عقائد سے بخوبی واقف نہ ہوتے تو جو کچھ انہوں نے تکیے کے نیچے پایا تھا، اس کی بنا پر لوگ بڑے فتنہ میں مبتلا ہو جاتے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے روافض کے مکروہ فریب شمار کرتے ہوئے بتیسویں مکر میں ذکر کیا ہے کہ ان کے علماء کی جماعت نے اہل سنت کی کتابوں، بالخصوص تفسیر اور تاریخ کے موضوع پر جو اکثر علماء اور طلبا کے ہاتھوں میں بھی نہ تھیں، نیز بعض کتب احادیث میں جو مشہور نہ تھیں اور ان کے نسخے بھی متعدد نہیں ملتے، میں نہایت جھوٹی باتیں بنا بنا کر جن سے شیعہ مذہب کو تقویت ملے اور سنیوں کے مذہب کو باطل قرار دیں، شامل کی ہیں (تحفہ اثناعشریہ ص۴۹، باب ثانی)

امام احمد بن حنبلؒ کی طرف ایک کتاب کتاب الصلاۃ کے نام سے منسوب ہے جو مصر سے شائع ہوئی ہے۔ حافظ ابن جوزی نے اسے امام صاحب کی تصنیف قرار دیا ہے مگر حافظ ذہبی صاف صاف فرماتے ہیں" هو موضوع على الإمام" یہ امام صاحب پر افتراء ہے (السیر: ج۱۱،ص۳۳۰) اسی طرح السیر (ج۱۱،ص۲۸۷) میں بھی انہوں نے اس کی نسبت امام احمد کی طرف، باطل قرار دی ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ الرد علی الجهمية اور احمد بن جعفر اصطخری کا اس حوالے سے رسالے کا انتساب بھی امام صاحب کی طرف درست نہیں۔

یہاں اس قسم کے واقعات کا استیعاب (مکمل شمار) تو مقصود نہیں۔ تاہم مزید دیکھئے کہ ابان بن جعفر نے تین سے سو زائد احادیث وضع کر کے امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کر دیں (میزان: ج۱،ص۱۷وغیرہ) عبداللہ بن محمد بن جعفر قزوینی نے "سنن الشافعی" کے نام سے کتاب لکھی۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ اس میں اس نے دو سو احادیث ایسی درج کیں جن کو امام شافعی نے بیان نہیں کیا۔ (میزان: ج۳،ص۴۹۵) الفقه الأكبر کے نام سے امام شافعی کی ایک کتاب مطبوع ہے اور الكوكب الأزهر شرح الفقه الأكبر کے نام سے المكتبة التجارية مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی ہے۔ شیخ علامہ مشہور بن حسن آل سلمان فرماتے ہیں۔ "الفقه الأكبر المكذوب على الإمام محمد بن إدريس الشافعي" کہ فقہ اکبر امام شافعی پر افترا اور جھوٹ ہے"۔ (کتب حذر منها العلماء: ۲/۲۹۳) حاجی خلیفہ نے بھی فرمایا ہے: لكن فيه شك والظن الغالب انه عن تأليف بعض اكابر العلماء کہ "الفقه الاكبر کا انتساب امام شافعی کی طرف ہے لیکن اس انتساب میں شک ہے، ظن غالب یہی ہے کہ یہ بعض اکابر علماء کی تصنیف ہے" (کشف الظنون: ج۲،ص۱۲۸۸)

ان گزارشات سے واضح ہو جاتا ہے کہ دین کی بنیاد اور اس کی صیانت وحفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ سند ہے جو اس ملت اور امت کا خاصہ ہے۔ مگر زنادقہ نے مختلف حربوں سے اس کو گدلا کرنے کی کوشش کی لیکن محدثین کرام اور دیگر اہل علم نے ان کی ان سازشوں سے خبردار کیا اور دودھ کا دودھ، پانی کا پانی کر دکھایا۔ جزاء هم الله احسن الجزاء عنا وعن جميع المسلمين

مصنف عبدالرزاق کا جزءِ مفقود

ذخیرہ کتب احادیث میں ایک کتاب امام عبدالرزاق کی المصنف ہے جو سب سے پہلے مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق سے ۱۳۹۰ھ یعنی ۱۹۷۰ میں حیدرآباد دکن سے زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہوئی۔ مگر یہ طبع اپنی ابتداء کے اعتبار سے ناقص ہے بلکہ اس کی پانچویں جلد کی انتہاء میں بھی نقص پایا جاتا ہے جیسا کہ خود انہوں نے پہلی جلد کی ابتداء میں اس کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

إن النسخ التي عثرنا عليها او التي احرزناها مصورة او مخطوطة كلها ناقصة إلا نسخة مراد على فانها كاملة الا نقصا بسيطا في اولها وفي خاتمة المجلد الخامس عن مجلدات الاصل فيما نرى

اب حال ہی میں المصنف کا ابتدائی حصہ ڈاکٹر عیسیٰ بن عبداللہ حمیری کی تحقیق سے ۲۰۰۵ء میں طبع ہوا جس پر ناشر کا کوئی نام نہیں۔ البتہ اسی نسخہ کا عکس بعد میں دسمبر ۲۰۰۵ء ہی میں موسسۃ الشرف لاہور کے تحت جناب محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب کے مقدمة الطبعة الثانية کے ساتھ طبع ہوا۔ اسی نسخہ کے بارے میں پہلے نور الحبیب بصیر پور جولائی ۲۰۰۴ء کی اشاعت میں اور اس کے بعد ماہنامہ اہل سنت گجرات میں اگست ۲۰۰۴ء کی اشاعت میں پھر ماہنامہ سوئے حجاز، لاہور اکتوبر ۲۰۰۴ء کی اشاعت میں، عالم اسلام کے لئے عظیم الشان خوشخبری، کے عنوان سے اشتہارات شائع ہوئے جن میں یہ خوشخبری دی گئی کہ حدیث نور اور حدیث عدم سایہ کی بازیافت ہو چکی جو المصنف عبدالرزاق کا ابتدائی حصہ ہے۔ اور عنقریب منصۂ شہود پر آنے والا ہے۔ بلکہ 'سوئے حرم' نے تو اس حوالے سے سات احادیث شائع بھی کر دیں جو اس موضوع سے متعلق تھیں۔

حدیث شریف کی خدمت بلاشبہ بڑی عظیم الشان سعادت ہے اور احادیث مبارکہ کے نایاب جواہر پاروں کو تلاش کر کے زیور طبع سے آراستہ کرنا دین کی بہت بڑی خدمت ہے۔ تاہم یہ بات بہرنوع ضروری ہے کہ پوری ژرف نگاہی اور دیانت داری سے یہ کھوج لگایا جائے کہ اس کتاب یا جز کا پایہ استناد وانتساب کس

حد تک درست ہے۔ محدثین کرام نے اس کیلئے جو اصول وضوابط مقرر کئے ہیں کیا یہ رسالہ اور جزاس میزان پر صحیح طور پر پورا اترتا ہے یا نہیں؟ ہم جب اسی حوالے سے المصنف کے اس حصہ کا جائزہ لیتے ہیں تو کئی اعتبار سے اس کا انتساب امام عبدالرزاق کی طرف درست ثابت نہیں ہوتا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ پہلی بنیادی اور قابل غور بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر عیسیٰ حمیری نے اس نسخہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

وليس على النسخة التى بين يدينا اية سماعات وهى نسخه كاملة أملك منها الآن المجلدين الأول والثانى فقط وأترك الحكم للقارى الكريم وأهل الاختصاص وأضع بين أيديهم الجزء المفقود (ص ۱۴۔۱۵)

ہمارے سامنے جو نسخہ ہے اس پر کوئی سماعات نہیں اور یہ کامل نسخہ ہے۔ اب میری ملکیت میں اس کی صرف پہلی اور دوسری دو جلدیں ہیں۔ میں اس بارے میں فیصلہ معزز پڑھنے والے اور اہل اختصاص پر چھوڑتا ہوں اور گمشدہ حصہ ان کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

سماعات سماع کی جمع ہے، جب ایک قلمی نسخہ اہل علم خود پڑھتے یا تلامذہ استاد پر اس کی قراءت کرتے تو وہ اس پر لکھ دیتے تھے کہ یہ فلاں فلاں نے پڑھا یا سنا ہے۔ مگر اس نسخہ کے بارے میں ڈاکٹر حمیری نے فرمایا ہے کہ اس پر کوئی سماعات نہیں ہیں۔ پھر خود ان کا یہ فرمانا کہ اس کے بارے میں فیصلہ قارئین کرام اور متخصصین پر چھوڑتا ہوں۔ بجائے خود اس بات کا اظہار ہے کہ انہیں بھی اس کے بارے میں کامل اعتماد نہیں کہ اس کی نسبت المصنف للامام عبدالرزاق کی طرف درست ہے یا نہیں؟

۲۔ اس مخطوطہ کے ناسخ اسحٰق بن عبدالرحمٰن سلیمانی ہیں۔ اس کا جز اول انہوں نے ۹/ رمضان المبارک ۹۳۳ھ میں لکھا، جیسا کہ اس جز کے عکس سے معلوم ہوتا ہے یہ ناسخ کون ہیں، ثقہ ہیں یا نہیں؟ اس کے بارے میں ڈاکٹر حمیری بھی خاموش ہیں۔ اس کا ترجمہ وتوثیق بھی متداول کتب میں کہیں نظر نہیں آتی ہے۔ جب کہ ناسخ کے بارے میں یہ شرط بھی ہے کہ وہ ثقہ اور معروف الخط ہو، چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے ذکر کیا ہے کہ:

جس طرح یہ شرط ہے کہ کتاب کے بارے میں یہ اطمینان ہونا چاہئے کہ اسمیں کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں ہوئی، اگر اس کے بارے میں شک ہو تو اس سے روایت درست نہیں، اس طرح یہ بھی شرط ہے کہ اس کا ناسخ ثقہ ہو، لیکن: **ان لم يكن الكتاب بخط ثقة بلا خلاف** (تدریب الراوی: ج ۲، ص ۱۲۸ النوع ۲۶)

اگر کتاب ثقہ ناسخ سے نہ ہو تو بھی بلا اختلاف اس پر اعتماد درست نہیں۔

یہی بات اس سے قبل النوع ۲۵ میں علامہ نووی نے ایک دوسرے اسلوب میں فرمائی ہے۔ لہٰذا جب اس نسخہ کے ناسخ کا ثقہ ہونا ثابت نہیں، نہ اس نے اس میں اپنے سماع کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی کسی محدث سے اس نسخہ کے بارے میں اعتماد نقل کیا تو اس نسخہ کا اعتبار کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

۳۔ جناب ڈاکٹر حمیری نے یقیناً خدمت حدیث کے جذبہ سے الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف طبع کرایا۔ مگر کیا ان کے علم میں یہ نہیں کہ المصنف کے مطبوعہ نسخہ کی جلد خامس بھی انتہاء سے ناقص ہے جس کا اظہار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے پہلی جلد کی ابتداء ہی میں کیا ہے۔ اب جب کامل نسخہ دستیاب ہوا ہے تو خدمت سنت کا کیا یہ تقاضا نہ تھا کہ اس حصہ کو بھی طبع کیا جاتا یا کم ازکم اس کا اظہار ہی کر دیا جاتا کہ دوسرے نقص کا جو اشارہ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے کیا ہے، وہ غلط ہے اور وہاں کوئی نقص نہیں۔ خدمت سنت کا یہ جذبہ آخر اس بارے میں خاموش کیوں ہے؟

۴۔ المصنف کے مطبوعہ نسخہ سے عیاں ہوتا ہے کہ امام **عبدالرزاق** نے المصنف میں باقاعدہ کتاب اور اس کے تحت ابواب مرتب کئے ہیں۔ مثلاً پہلی جلد کی ابتدا میں کتاب الطهارة نہیں۔ اس کے بعد ابواب کا بظاہر تسلسل نہیں جو اس کے نقص کی دلیل ہے۔ اس کے بعد پہلی جلد ہی میں کتاب الحيض، كتاب الصلاة، یہ کتاب تیسری جلد تک مسلسل ہے اور اس کے تحت تمام متعلقہ ابواب ہیں۔ اس کے بعد تیسری جلد ہی میں كتاب الجمعه، كتاب صلاة العيدين، كتاب فضائل القرآن، كتاب الجنائز۔ اسی طرح چوتھی میں كتاب الزكوٰة، كتاب الصيام وغیرہ آخر کتاب تک۔ علامہ الکتانی نے بھی لکھا ہے، رتبه على الكتب والأبواب۔

''امام عبدالرزاقؒ نے اسے کتب اور ابواب پر مرتب کیا ہے'' (الرسالة المستطرفة ص ۳۶)

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ الجزء المفقود کے نام سے اس نسخہ کا آغاز کتاب الایمان سے نہیں۔ ڈاکٹر حمیری نے وضاحت کر دی ہے کہ موقعہ کی مناسبت سے ہم نے یہ اضافہ کیا ہے۔ (الجزء المفقود: ص ۵۱)، كتاب الطهارة بھی نہیں، یہ عنوان بھی ڈاکٹر حمیری نے دیا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح مولانا اعظمی صاحب نے (كتاب الطهارة) کو قوسین میں ذکر کیا۔ یہ کیسا کامل نسخہ ہے کہ کتاب کے پورے اسلوب کے برعکس اس میں 'کتاب' کا نام ہی نہیں۔ کیا ڈاکٹر حمیری اور ان کے ہمنوا بتا سکتے ہیں کہ ان کے کامل نسخہ میں 'کتاب' نام کا کوئی عنوان ہی نہیں۔ دیدہ باید

۵۔ حافظ ابن حجرؒ نے اپنی المصنف کی سند متعدد طرق سے ذکر کی ہیں۔ ملاحظہ ہو تغلیق التعلیق (ج ۵، ص ۴۵۵)، امام ابوبکر محمد بن خیر اشبیلی المتوفی ۵۷۵ھ نے فهرسة ابن خير ص ۱۰۷ رقم ۱۷۴ میں المصنف کی اسانید ذکر کی ہیں۔ اسی طرح دیگر حضرات جنہوں نے

المصنف کی روایت کی ہے وہ اپنی روایت میں کسی نوعیت کے نقص کا ذکر نہیں کرتے۔ یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ نقص کا یہ گھپلا کب اور کیسے واقع ہوا؟

۲۔ جناب ڈاکٹر حمیری نے مطبوعہ اور مخطوط کے مابین ایک تقابلی جائزہ پیش کیا ہے مگر افسوس کہ مخطوط میں جگہ بہ جگہ جو تساہل بلکہ تغافل پایا جاتا ہے، اس کی طرف کوئی اشارہ انہوں نے نہیں کیا۔ اسی تغافل سے اس مخطوط کی حیثیت متعین کی جاسکتی ہے۔

یحییٰ بن ابی زائدۃ کون ہیں؟

چنانچہ اسی الجزء المفقود میں جو چالیس روایات پائی جاتی ہیں، ان میں پانچ روایات یحییٰ بن ابی زائدۃ سے منقول ہیں اور ان تمام روایات میں اسناد کے اعتبار سے عجیب گھپلا پایا جاتا ہے۔ چنانچہ یحییٰ کی ایک روایت جو جزء المفقود کے ص۶۱ رقم ۵۱ پر ہے۔ اس کی سند یوں ہے:

عبدالرزاق عن معمر عن ابن ابی زائدۃ عن ابن عون

معمر سے مراد امام معمر بن راشد ہیں اور ڈاکٹر صاحب نے اس کے بارے میں یہ وضاحت کردی ہے کہ معمر لا یروی عن ابن ابی زائدہ کہ "معمر، ابن ابی زائدہ سے روایت نہیں کرتے"، گویا یہ روایت منقطع ہے۔ لیکن معاملہ اس پر ختم نہیں ہوتا، کیونکہ یحییٰ بن ابی زائدہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳، ۱۸۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ جیسا کہ التھذیب للمزی ج۲ ص۸۱ وغیرہ میں ہے اور ڈاکٹر حمیری نے بھی الجزء المفقود ص۶۰ میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن ابی زائدہ، دراصل یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ ہیں جو ۱۸۳ یا ۱۸۴ھ میں فوت ہوئے۔ حافظ ابن حجرؒ نے انہیں طبقہ تاسعہ میں شمار کیا ہے (تقریب:ص۳۷۵) جبکہ امام معمر سابعہ طبقہ کے ہیں۔ (تقریب ص۳۴۴) جو ۱۵۳ یا ۱۵۴ھ میں فوت ہوئے، انہوں نے ۵۸ سال عمر پائی، اس حساب سے ان کی پیدائش ۹۵،۹۶ھ میں بنتی ہے۔ گویا امام معمر کی وفات پر یحییٰ کی عمر ۲۹، ۳۰ سال تھی۔ چاہئے تو یہ کہ یحییٰ بن ابی زائدہ امام معمر سے روایت کرتے کہ وہ امام معمر سے بہرنوع بعد میں ہوئے ہیں لیکن یہاں گنگا الٹی بہتی ہے کہ امام معمر، یحییٰ سے روایت کرتے ہیں۔ ممکن ہے کوئی صاحب دل کی تسلی کیلئے اسے روایة الأکابر عن الأصاغر قرار دیں لیکن اس کیلئے دونوں کے مابین ثبوت سماع کی ضرورت ہے، اس لئے یہ بہانہ سازی بھی یہاں نہیں چل سکتی۔ غالبا اسی لئے ڈاکٹر حمیری نے اعتراف کیا ہے کہ امام معمر کی یحییٰ سے روایت نہیں۔

یحییٰ بن ابی زائدۃ کی دوسری روایت

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدۃ کی ایک روایت کی سند یوں ہے:

"قال عبدالرزاق أخبرني يحيىٰ بن أبي زائدة عن سليمان بن يسار قال علمني أبو قلابة"

(الجزء المفقود:ص ٦٠ رقم ١٣)

ابھی ہم ذکر کر کے آئے ہیں کہ یحییٰ بن زکریا ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳ یا ۱۸۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اور اس سند میں وہ سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہیں۔ جن کی وفات علی حسب الاختلاف ۱۰۰ھ میں، ۱۰۳ھ، ۱۰۴ھ، ۱۰۷ھ یا ۱۰۹ھ بتلائی گئی ہے اور اکثر محدثین نے فرمایا ہے کہ وہ ۱۰۷ھ میں فوت ہوئے جبکہ ان کی عمر ۷۳ سال تھی۔ (التھذیب للمزی ترجمہ ۲۵۵۹ وغیرہ) حافظ ابن حجرؒ نے انہیں كبار الثالثة يعني ثالثہ طبقہ کے کبار محدثین میں شمار کیا ہے۔ (تقریب:۱۳۶) اس اعتبار سے سوال یہ ہے کہ یحییٰ جو ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے، وہ ۱۰۷ھ میں تیرہ سال پہلے فوت ہو جانے والے سلیمان بن یسار سے کیونکر روایت کر سکتے ہیں؟ کہاں نویں طبقہ کا یحییٰ بن زکریا اور کہاں تیسرے طبقہ کے کبار محدثین میں شمار ہونے والے سلیمان سے اس کی روایت! افسوس ہے ڈاکٹر حمیری یہاں خاموش ہیں۔ آپ کہیں گے کہ یہاں انقطاع ہے۔ یہی بات بجا سہی، لیکن اس کا دوسرا پہلو بھی ہے جو یحییٰ بن زکریا کی روایات سے سامنے آرہا ہے کہ اسے کس کس کا استاد اور کس کس کا شاگرد بنایا جارہا ہے؟

یحییٰ بن ابی زائدۃ کی تیسری روایت

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کی تیسری روایت الجزء المفقود کے ص۸۳ رقم ۲۲ پر ہے جس کی سند حسب ذیل ہے:

عبدالرزاق عن مالك عن يحيىٰ بن أبي زائدة عن أبي سعيد الخدري

انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ڈاکٹر حمیری اپنے علم وفضل کے باوصف اس سند کے بارے میں بالکل خاموش ہیں جبکہ امام مالک بھی طبقہ سابعہ کے ہیں جو ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے جبکہ ان کی پیدائش ۹۳ھ میں ہوئی، ڈاکٹر حمیری جب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ معمر اور زائدہ کے مابین انقطاع ہے تو یہاں امام مالک اور یحییٰ کے مابین انقطاع کیوں نہیں؟ بالخصوص جبکہ یحییٰ بن زکریا تو امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو التھذیب للمزی (ج۱۷، ص۳۸۴ اور ج۲۰، ص۷۸) اور یہ قطعا ثابت نہیں کہ امام مالکؒ نے یحییٰ سے بھی روایت لی ہے چلئے ہم اس پہلو سے اسے نظرانداز کرتے ہیں مگر ثانیا یہ بھی لطیفہ ہی ہے کہ یحییٰ بن ابی زائدہ جو تاسعہ طبقہ سے ہے اور ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے ہیں وہ حضرت ابوسعید خدریؓ صحابی رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ۔ اس صریح دھاندلی کے باوجود افسوس کہ فاضل ڈاکٹر حمیری اس پر خاموش ہیں اور دوسری اسانید سے حضرت ابوسعیدؓ کی روایت کا حوالہ ذکر کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ گویا یہاں یہ روایت اسی سند سے موجود ہے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

یحییٰ کی چوتھی حدیث:

اسی طرح یحییٰ کی چوتھی حدیث الجزء

المفقود کے ص۹۱، رقم ۳۴ کے تحت جس کی سند یوں ہے:

عبدالرزاق عن مالك عن يحيىٰ بن أبي زائدة عن علي رضي الله عنه

یہاں بھی وہی معاملہ ہے جو حدیث نمبر تین میں ہے اور یحییٰ تاسعہ طبقہ کے ہوتے ہوئے حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ سبحان اللہ، اور جناب ڈاکٹر حمیری حسب سابق یہاں بھی خاموش ہیں اور اس تخریج میں ترمذی، احمد، البزار وغیرہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ ان کتابوں میں یہ ابواسحاق عن ابی حیۃ عن علی کی سند سے موجود ہے مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ اس سند سے تو یہ المصنف عبدالرزاق رقم ۱۲۰، ۱۲۱ میں بھی موجود ہے۔ کیا کتاب کے صحیح انتساب کیلئے تنہا متن کا مل جانا کافی ہے؟

یحییٰ کی پانچویں حدیث

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کی پانچویں حدیث اسی صفحہ ۹۱ حدیث ۳۵ پر ہے۔ جس کے متعلق کہا گیا ہے:

"وبھذا الاسناد عن ابن عمر"۔

کہ اسی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

لیجئے جناب! یہاں یحییٰ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں اور وہ طبقہ تاسعہ میں شمار ہوتے ہیں۔ مگر اس کے بارے میں ڈاکٹر حمیری خاموش ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ الجزء المفقود کی چالیس روایات میں پانچ روایات یحییٰ بن ابی زائدہ سے مروی ہیں جو اس بات کا قرینہ ہے کہ یحییٰ کثیر الروایہ ہیں۔ اور الجزء المفقود میں اس کی تین روایات امام مالکؒ سے ہیں۔ مگر کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اس کے باوجود یحییٰ امام مالک کے شاگرد ہیں، کسی نے انہیں امام مالک کا استاد قرار نہیں دیا۔ اور نہ پوری المصنف عبدالرزاق میں اس کے علاوہ کہیں مالک عن یحییٰ بن ابی زائدہ کی کوئی روایت پائی جاتی ہے۔ بلکہ مختلف ذرائع سے ہم نے اس کا تتبع کیا کہ المصنف کے مطبوعہ نسخہ میں ایک روایت بھی یحییٰ بن ابی زائدہ کی مروی نہیں، آخر یہ کیوں؟

ایک اور سند اور لطیفہ

الجزء المفقود ص ۵۵، حدیث ۲ کی سند ملاحظہ فرمائیں:

عبدالرزاق عن ابن جريج قال أخبرني البراء قال ما رأيت شيئا قط أحسن من رسول الله ﷺ

قارئین کرام یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ اس الجزء کے "فاضل محقق" جناب ڈاکٹر حمیری فرماتے ہیں:

ابن جريج حافظ ثقة وكان يدلس فقد صرح هنا بالإخبار

ابن جریج ثقہ حافظ اور مدلس تھے مگر یہاں انہوں نے اخبرنی کہہ کر سماع کی تصریح کی ہے۔

بے خبری اور اندھی عقیدت کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے، جس کی بنا پر وہ اس سند کو اخبرنی دیکھ کر سماع پر محمول کرتے ہیں اور اتنی سی بات بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتے کہ ابن جریج تو ۸۰ھ میں پیدا ہوئے جیسا کہ التہذیب ج۶، ص۴۰۵ اور السیر ج۶، ص۳۳۲، ۳۳۳ میں ہے۔ بلکہ علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ان کی عمر ستر سال تھی، ان کا اور امام ابوحنیفہ کا سن مولد ۸۰ھ عمر ۷۰ سال اور وفات ۱۵۰ھ ایک ہی ہے۔ بتلایئے ۸۰ھ میں پیدا ہونے والے، حضرت براءؓ جو ۷۲ھ میں فوت ہوئے (تقریب: ص۴۳) سے سماع کا اظہار کیونکر کر سکتے ہیں؟ اگر براء بن عازبؓ معروف صحابی نہیں، کوئی اور ہیں تو بتلایا جائے۔ براء نام کا اور کون سا صحابی ہے۔ جس سے براہ راست امام ابن جریج نے روایت لی ہے؟ بصورت دیگر تسلیم کیا جائے کہ یہ جسارت کرنے والا کوئی کذاب ہے جس نے یہ سلسلہ سند جوڑا ہے۔

تیسری سند............ایک اور لطیفہ

الجزء المفقود کے ص ۸۴ حدیث ۲۴ کی سند ملاحظہ فرمائیں:

عبدالرزاق عن ابن جريج عن الزهري أنه سمع عقبة بن عامر

ڈاکٹر حمیری نے فرمایا ہے کہ کتب جرح و تعدیل میں زہریؒ کا حضرت عقبہ بن عامرؓ سے سماع ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ زہری ۵۰ھ میں پیدا ہوئے جبکہ عقبہ حضرت معاویہؓ کی خلافت کے آخر میں ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔ یوں ان کی وفات کے وقت زہری کی عمر دس سال تھی۔ لیکن احتمال ہے کہ انہوں نے حضرت عقبہ سے سنا ہو، کیونکہ حدیث کیلئے سن تحمل پانچ سال ہے جیسا کہ امام ابن صلاح نے اپنے المقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ یوں یہ روایت متصل ہے۔ ورنہ منقطع۔ فاضل ڈاکٹر اس روایت کو متصل بنانے کیلئے بڑی دور کی کوڑی لائے۔

اولاً...... تو عرض ہے کہ فاضل ڈاکٹر نے ۶۰ھ کو حضرت عقبہ کا سن وفات کس دلیل سے متعین کیا ہے جبکہ حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ: ج۳، ص۴۶۶، التہذیب ج۷، ص۲۴۳، میں اور علامہ ذہبیؒ نے السیر: ج۲، ص۴۶۸، ۴۶۹ وغیرہ میں بالصراحت ان کی وفات ۵۸ میں ذکر کی ہے۔ آخری عمر میں ان کا مدینہ طیبہ میں ہونا بھی ثابت نہیں۔ مصر میں فوت ہوئے، مقبرہ المقطم میں دفن ہوئے۔ اس لئے سن تحمل کی بنا پر امکان سماع کا دعویٰ بہرحال مخدوش ہے بلکہ علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد (ج۱، ص۳۳۱) باب کیف الاذان میں صراحت کی ہے:

والزهري لم يسمع من عقبة بن عامر

کہ زہری نے حضرت عقبہؓ سے نہیں سنا۔ یہ روایت جس کے بارے میں علامہ ہیثمیؒ نے یہ حکم لگایا ہے۔ یہ طبرانی کبیر: ج۱۷، ص۳۴۴ میں ہے اور یہ معنعن ہے یعنی زہری عن عقبہ مگر یہ شرف صرف الجزء

المفقود کے ناسخ یا راوی کو حاصل ہوا کہ اس نے امام زہری کا حضرت عقبہؓ سے سماع ثابت کردیا۔ ماشاءاللہ!

متن میں نکارت

حضرت عقبہؓ کی اس روایت کے الفاظ ہیں:

من توضأ فأتم وضوءه ثم رفع رأسه إلى السماء...... الخ

فاضل ڈاکٹر حمیری نے اس کی تخریج میں صحیح مسلم اور ابن ابی شیبہ وغیرہ کا حوالہ دیا اور فرمایا: من طریق ابن عثمان بن نفیر عن جبیر أبي عثمان بن مالك الحضرمي لیکن یہ کمپوزنگ کی غلطی ہے، صحیح ''من طریق أبي عثمان عن جبیر بن نفیر بن مالك ہے۔ اس سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ کیا اس سند سے محولہ کتابوں میں ''ثم رفع رأسه إلى السماء'' کے الفاظ موجود ہیں؟ ڈاکٹر حمیری تک تو شاید ہماری گزارشات نہ پہنچ پائیں مگر پاکستان میں ان کے ہم نوا اور اس نسخہ کی تحسین کرنے والے تو موجود ہیں، کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ محولہ کتب میں حاشیہ کی بیان کی ہوئی سند میں یہ اضافہ موجود ہے؟ ﴿وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾

امر واقعہ یہ ہے کہ یہ اضافہ ابو عقیل عن ابن عمہ عن عقبة کی سند سے ابوداود: ج۱ص۶۶ مع العون، ابن ابی شیبہ: ج۱، ص۴، مسند احمد: ج۴، ص۱۵۰، ۱۵۱ اور سنن دارمی: ج۱، ص۱۸۲ میں ہے اور اس میں ابن عم ابی عقیل مجہول ہے، جیسا کہ علامہ منذری نے مختصر ابی داؤد میں کہا ہے: غور فرمایئے ڈاکٹر حمیری نے کس ہوشیاری سے اس متن کو صحیح بنانے کی کوشش کی ہے۔ رہی الجزء المفقود کی سند تو اس کا قصہ آپ کے سامنے ہے۔

چوتھی سند اور ڈاکٹر حمیری کی دھاندلی

الجزء المفقود (ص۸۸ رقم ۴۸) کی ایک سند دیکھئے:

''عبدالرزاق قال أخبرني الزهري عن سفیان بن شبرمة عن سعید بن جبیر''

اولاً...... سوال یہ ہے کہ سفیان بن شبرمہ کون ہے؟ ڈاکٹر حمیری کی دھاندلی دیکھئے کہ وہ یہاں تو اس کے تعارف سے خاموش ہیں مگر رجال کی فہرست ص۱۰۴ میں اس کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

چلئے ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ طباعتی غلطی ہوگی صحیح، سفیان عن ابن شبرمہ ہے کیونکہ المصنف (ج۱، ص۱۵) میں یہی اثر یحییٰ بن الیمان عن سفیان عن ابن شبرمہ کی سند سے موجود ہے اور ابن شبرمہ، عبداللہ بن شبرمہ ہیں اور ان سے سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ دونوں سفیان روایت کرتے ہیں۔ مگر سوال پھر یہ ہے کہ کیا امام زہریؒ سفیان ثوریؒ یا سفیان بن عیینہ سے روایت کرتے ہیں؟ تہذیب الکمال وغیرہ اٹھا کر دیکھئے، امام زہریؒ کے اساتذہ میں ان کا نام آتا ہے؟ بلکہ سفیان بن عیینہ تو امام زہریؒ کے مشہور شاگرد ہیں اور باکثرت ان سے روایت بیان کرتے ہیں، مگر یہاں انہیں امام زہریؒ کا ماشاءاللہ استاد بنا دیا گیا۔

اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ کہا گیا:

عبدالرزاق قال اخبرني الزهري

حالانکہ امام عبدالرزاق ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے جیسا کہ خود محترم حمیری صاحب نے ص۲۳ پر نقل کیا ہے، جبکہ امام زہری ۱۲۳ یا ۱۲۴، ۱۲۵ھ میں فوت ہوئے (تہذیب الکمال: ج۱۷، ص۲۳۴) وغیرہ۔ لہٰذا جب امام عبدالرزاق امام زہری کی وفات سے علیٰ حسب الاختلاف یک یا دو یا تین سال بعد پیدا ہوتے ہیں تو اب ان سے اخبرني الزهري بیان کرنے والا کون کذاب ہے؟ بینوا توجروا!

مزید برآں ڈاکٹر صاحب نے متن میں فإذا نبتت له یغسلها نقل کیا ہے جس کے کوئی معنی نہیں بنتے۔ صحیح لم یغسلها ہے، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے ممکن ہے کہ لہ کمپوزنگ کی غلطی ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم یعنی لم کی جگہ لہ لکھ دیا۔

پانچویں سند کا لطیفہ

الجزء المفقود ص۸۹، حدیث ۳۰ میں ایک سند یوں ہے:

''عبدالرزاق عن معمر عن الزهري عن ابن عیینة عن یزید الرقاشي''

ابھی ہم عرض کرکے آئے ہیں کہ امام زہری، امام ابن عیینہ کے استاد ہیں' شاگرد نہیں۔ علاوہ ازیں ابن عیینہ کا سماع یزید بن ابان رقاشی سے نہیں۔ امام ابن عیینہ ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے جبکہ یزید رقاشی کے بارے میں ہے کہ وہ ۱۱۰ سے ۱۲۰ھ کے مابین فوت ہوئے۔ (التاریخ الصغیر للبخاری ج۲، ص۳۴۳)۔ کوئی حتمی تاریخ وفات کا ذکر نہیں ملا۔ اب محض اس الجزء المفقود کی بنیاد پر ابن عیینہ کو یزید رقاشی کا شاگرد کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے؟ بالخصوص جبکہ خود ابن عیینہ فرماتے ہیں:

''أول من جالست عبدالکریم أبو أمیة وأنا ابن خمس عشرة سنة قال وقرأت القرآن وأنا ابن أربع عشر سنة (السیر: ج۸، ص۴۶۴)

'' سب سے پہلے جس کے سامنے میں نے زانوئے تلمذ طے کئے ہیں وہ عبدالکریم بن ابی المخارق ابو امیہ ہیں، تب میری عمر ۱۵ سال تھی اور میں نے قران مجید ۱۴ سال کی عمر میں پڑھا''۔

ابن عیینہ نے ۱۵ سال کی عمر میں سماع کیا۔ پیدائش ۱۰۷ھ تو سن تحمل ۱۲۲ھ ہوا۔ جب صورت واقعہ یہ ہے کہ امام ابن عیینہ کا سن تحمل ۱۵ھ ہے تو اس حساب سے ۱۱۰ھ سے ۱۲۰ھ کے مابین فوت ہو جانے والے یزید رقاشی بصری سے ان کا سماع کیونکر متعین ہوسکتا ہے؟ اس لئے یہ سند بھی خانہ ساز ہے اور علم الروایہ کے بالکل منافی ہے۔

چھٹی سند

الجزء المفقود ص۹۴ کی حدیث ۴۰ کی سند ملاحظہ فرمائیں:

عبدالرزاق عن الزهري عن جندب عن الأسود بن يزيد أن ابن عمر توضأ...... الخ

ابھی ہم، چوتھی سند کے تحت ذکر کر آئے ہیں کہ امام زہریؒ سے امام عبدالرزاقؒ کی ملاقات ہی ثابت نہیں۔ امام عبدالرزاقؒ، امام زہریؒ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے، لہٰذا حسب سابق یہ سند بھی بناوٹی ہے۔ انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر حمیری اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: هذا الاسناد فيه انقطاع بين عبدالرزاق والزهري کہ اس سند میں زہری اور عبدالرزاق کے مابین انقطاع ہے مگر اس سے قبل ص۸۸ حدیث ۲۸ میں جہاں عبدالرزاق اخبرنی الزہری کہہ کر دونوں کے مابین سماع کی صراحت کی گئی ہے، اس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب بالکل خاموش ہیں۔ ہمارا سوال یہی ہے کہ جس سے سماع نہ ہو اس کے باوجود راوی اس سے سماع کا اظہار کرے تو اسے کیا کہا جائے گا؟ امام عبدالرزاقؒ کے بارے میں غلط بیانی اور کذب کا الزام بہر نوع غلط ہے۔ اب اس کی جسارت کسی غلط کار اور کذاب نے نہیں کی تو اور کس نے کی ہے؟ اس کے علاوہ یہ بھی بتایا جائے کہ امام زہریؒ جو جندب سے روایت کرتے اور وہ اسود بن یزید کے شاگرد ہیں، وہ کون ہیں؟ نیز یہ بھی کہ سند میں ان ابن عمر بھی بہر حال غلط ہے۔ صحیح ان عمر ہے، جیسا کہ اسود بن یزید ہی سے یہ اثر حضرت عمرؓ سے مصنف ابن ابی شیبہ (ج۱ص۱۸) میں ہے۔

ساتویں حدیث

الجزء المفقود ص۸۰، ۸۱ میں ایک روایت ابوسعید خدریؓ سے بایں سند نقل کی گئی ہے:

عبدالرزاق عن معمر عن الزهري عن أبي سعيد عن أبيه عن جده أبي سعيد قال رسول الله ﷺ "لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه" (رقم: ۲۰)

یہ روایت بظاہر سند کے اعتبار سے حسن ہے مگر درحقیقت بات یہ ہے کہ امام زہریؒ کے استاد ابوسعید ربیح بن عبدالرحمٰن بن ابی سعید سے یہ روایت کثیر بن زید بیان کرنے میں منفرد ہیں۔ چنانچہ کثیر بن زید کی سند سے یہی روایت مصنف ابن ابی شیبہ: ج۱، ص۲، العلل الکبیر از ترمذی: ج۱، ص۱۱۲، ۱۱۳، مسند احمد: ج۳، ص۴۱، سنن دارمی: ج۱، ص۱۷۱، ابن ماجہ: رقم ۳۹۷، مسند ابو یعلی: رقم ۱۰۶۰، سنن دار قطنی: ج۱، ص۷۲، سنن بیہقی: ج۱، ص۴۳، مستدرک حاکم: ج۱، ص۱۴۷ اور مسند عبد بن حمید: رقم ۹۱۰ وغیرہ کتب میں اسی سند سے مروی ہے اور امام حاکم اور امام بیہقی نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ:

"أحسن ما يروى في هذا الحديث كثير بن زيد"

اس باب میں سب سے بہتر وہ ہے جو کثیر بن زید بیان کرتے ہیں۔

یہی بات امام ابن عدی نے الکامل ج۳ص۱۰۳۴ میں ربیح کے ترجمہ میں نقل کی ہے۔ بلکہ مزید یہ بھی فرمایا ہے کہ "لا أعلم يروي هذا الحديث عن ربيح غير كثير" کہ میں نہیں جانتا کہ یہ حدیث ربیح سے کثیر کے علاوہ کوئی اور بھی روایت کرتا ہے۔ امام اسحاق بن راہو یہ فرماتے ہیں: هو أصح ما في الباب کہ یہ حدیث اس باب میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔ (التلخیص: ج۱ص۷۲) امام بزار فرماتے ہیں: لا نعلمه يروى عن أبي سعيد إلا بالاسناد المذكور ہم نہیں جانتے کہ حضرت ابو سعیدؓ سے اس سند کے علاوہ بھی کسی نے روایت کیا ہے۔ (البدر المنیر: ج۲، ص۷۸) ہم اس حدیث کی صحت و ضعف کے بارے میں بحث نہیں کرنا چاہتے بلکہ صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امام احمد، امام اسحاق کا فرمانا کہ اس باب میں سب سے بہتر روایت کثیر بن زید کی ہے۔ امام بزار، امام ابن عدی کا فرمانا کہ کثیر کے علاوہ کسی اور نے یہ روایت بیان نہیں کی ہے۔ امام احمد، امام اسحاق براہ راست امام عبدالرزاق کے شاگرد ہیں۔ امام حاکم، امام بیہقی، نیز علامہ ابن ملقن اور حافظ ابن حجر وغیرہ اسحاق بن ابراہیم الدبری جو المصنف عبدالرزاق کے راوی ہیں کے واسطہ سے المصنف کی جابجا روایات ذکر کرتے ہیں۔ اگر یہ روایت ان کی المصنف میں زہری عن ربیح کی سند سے ہوتے تو کیا یہ حضرات کثیر کا تفرد اور اس کی سند سے اسے سب سے بہتر قرار دیتے؟...... ہرگز نہیں!

ان محدثین کے تبصرہ کے بعد اس روایت کی یہ سند بھی خانہ ساز اور وضعی معلوم ہوتی ہے۔

آٹھویں حدیث اور ڈاکٹر حمیری

الجزء المفقود ص۸۲ میں حدیث ۲۱ کی سند یوں ہے:

"عبدالرزاق عن ابن جريج أخبره رجل عن أبي هريرة

یہ روایت بھی تسمیہ فی الوضوء کے بارے میں ہے جو مسند امام احمد، سنن ابی داؤد، ابن ماجہ وغیرہ کتب میں یعقوب بن سلمہ عن ابیہ عن ابی ھریرۃ کی سند سے معروف ہے۔ امام حاکم نے یعقوب بن سلمہ کو یعقوب بن ابی سلمہ الماجشون قرار دیا ہے مگر علامہ ابن صلاح، علامہ نووی، علامہ ابن دقیق العید، علامہ ذہبی، علامہ ابن ملقن اور علامہ زیلعی وغیرہ نے خبردار کیا کہ یہ امام حاکم کا وہم ہے۔ صحیح یعقوب بن سلمہ ہے۔

یہاں ڈاکٹر حمیری کی لیاقت دیکھئے، فرماتے ہیں: اس سند میں ابن جریج کا استاد رجل مبہم ہے اور وہ ہے یعقوب بن سلمۃ اللیثی، ان کے الفاظ ہیں: ان الرجل هو يعقوب بن سلمة الليثي مگر یہ بات ان کے حاشیہ

خیال میں نہ آئی کہ جن مراجع کی بنیاد سے المصنف میں رجل کو یعقوب بن سلمہ قرار دیا ہے وہ تو انہی مراجع میں اپنے باپ سلمہ سے روایت کرتے ہیں جبکہ رجل براہ راست حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتا ہے، اس لئے یہ یعقوب کیونکر ہوسکتا ہے؟

حدیث نور

اب آیئے اس روایت کو بھی ایک نظر دیکھ لیجئے جس کیلئے یہ الجزء المفقود طبع کیا گیا جس کی تخریج میں کہا گیا کہ شیخ ابن عربی نے تلقیح الفهوم میں انہی الفاظ سے ذکر کیا ہے، الخرکوشی نے شرف المصطفیٰ میں حضرت علیؓ سے اس معنی میں رویات بیان کی ہے، عجلونی نے کشف الخفاء میں عبدالرزاق سے یہ روایت نقل کی ہے۔ اور قسطلانی نے اسے المواهب اللدنیۃ میں ذکر کیا ہے، اور عبدالملک الطبنی نے اپنے فوائد میں اسے حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ کیا شیخ ابن عربی نے اسے المصنف عبدالرزاق کی سند سے نقل کیا؟ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کی روایت سے سند کیا ہے؟ اور وہ بھی المصنف کی روایت کے ہم معنی ہیں۔ عبدالرزاق کے حوالے سے کشف الخفاء کا حوالہ بھی ثانوی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ علامہ عجلونی نے جو کچھ نقل کیا، المواهب اللدنیۃ سے نقل کیا ہے۔ گویا المصنف کے حوالہ سے حضرت جابرؓ کی یہ روایت سب سے پہلے علامہ قسطلانی نے ذکر کی ہے اور وہ بھی بلا سند، اور اب المصنف عبدالرزاق میں لگ گئی جس کی بظاہرہ سند بھی درست ہے مگر مقام غور ہے کہ علامہ قسطلانی نے جو الفاظ المصنف سے نقل کئے ہیں کیا انہی الفاظ سے الجزء المفقود میں ہے؟ قطعاً نہیں۔ نسخوں کے اختلاف میں الفاظ کے مختلف ہونے کی بات اپنی جگہ مگر یہاں تو سرے سے اصل موضوع ہی بدلا ہوا ہے۔ اور وہ یوں کہ المواهب میں ہے کہ نور نبیک میں نورہ جبکہ الجزء المفقود میں ہے: نور نبيك يا جابر خلقه الله اس کے بعد الجزء میں ہے: ثم خلق فيه كل خير وخلق بعده كل شيء وحين خلقه أقامه قدامه من مقام القرب اثني عشر ألف سنة کہ پھر اس نور میں ہر قسم کی خیر پیدا کی اور اس کے بعد ہر چیز کو پیدا کیا، اور جب سے اسے پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے سامنے مقام قرب میں بارہ ہزار سال رکھا۔ جبکہ المواهب میں ہے:

فجعل ذالك النور يدور بالقدرة حيث شاء ولم يكن في ذالك الوقت لوح ولا قلم ولا جنة ولا نار ولا ملك ولا سماء ولا أرض ولا شمس ولا قمر ولا جن ولا إنس

غور فرمایئے، آخری حصہ تو الحديث يفسر بعضه بعضا کا مصداق ہے جبکہ پہلے حصہ میں فرمایا گیا ہے کہ یہ نور قدرت سے جہاں چاہا، چکر لگاتا رہا۔ اندازہ کیجئے دونوں میں کتنا نمایاں فرق ہے۔ الجزء میں رب ذوالجلال کے سامنے مقام قرب میں ٹھہرنے کا ذکر ہے جبکہ المواهب میں اپنی مرضی سے چکر لگانے کا ہے۔ الجزء میں مقام قرب میں یہ حضوری بارہ ہزار سال بتلائی گئی جبکہ المواهب میں سرے سے اس کا ذکر ہی نہیں۔ پھر الجزء میں ہے کہ اس نور کے چار حصے کئے، ایک قسم سے عرش اور کرسی، ایک قسم سے حاملین عرش اور خزنۃ کرسی، اور چوتھی قسم مقام محبت میں بارہ ہزار سال کھڑی رہی۔ چنانچہ اسکے الفاظ ہیں:

ثم جعله أربعة أقسام فخلق العرش والكرسي من قسم وحملة العرش وخزنة الكرسي من قسم وأقسام القسم الرابع في مقام الحب اثني عشر ألف ثم جعله أربعة اقسام

اولاً تو یہاں اس نور کے تیسرے حصے سے جو کچھ بنا، اس کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں۔ شاید یہ حصہ دکتور حمیری صاحب کی نورنظر سے اوجھل ہوگیا ہے۔

ثانیاً: المواهب میں اس کے برعکس اس نور سے جن تین چیزوں کے وجود میں آنے کا ذکر ہے، وہ یہ ہیں، پہلے حصہ میں القلم، دوسرے حصہ میں اللوح، تیسرے حصے میں العرش، چنانچہ المواهب کے الفاظ ہیں:

فخلق من الجزء الأول القلم، ومن الثاني اللوح، ومن الثالث العرش، ثم قسم الجزء الرابع أربعة أجزاء

الفاظ کے تغیر سے قطع نظر یہاں نور کے چوتھے حصہ کا بارہ ہزار سال تک مقام محبت میں کھڑے رہنے کا بھی ذکر نہیں۔ اور نور کے اجزا سے تخلیق کائنات میں فرق بھی نمایاں طور پر ظاہر ہو رہا ہے۔

اس کے بعد الجزء المفقود میں ہے کہ اس چوتھے حصہ نور کو چار پر تقسیم کیا گیا تو ایک حصہ سے القلم، ایک حصہ سے لوح، ایک حصہ سے جنت اور چوتھا بارہ ہزار سال تک مقام خوف میں رہا، چنانچہ اس کے الفاظ ہیں:

فخلق القلم من قسم واللوح من قسم والجنة من قسم ثم أقام القسم الرابع في مقام الخوف اثني عشر ألف سنة

جبکہ اسکے بالکل برعکس المواهب میں المصنف کے حوالے سے ہے کہ

فخلق من الجزء الأول حملة العرش ومن الثاني الكرسي ومن الثالث باقي الملائكة ثم قسم الجزء الرابع أربعة أجزاء

اس دوسری قسم میں نور کے ایک حصہ سے حاملین عرش، دوسرے سے کرسی، تیسرے سے باقی تمام ملائکہ، انصاف فرمایئے دونوں میں کوئی توافق ہے؟ جن چیزوں کی تخلیق کا ذکر الجزء المفقود میں ہے، ان کا تذکرہ المواهب کی نقل کردہ روایت میں سرے سے موجود ہی نہیں اور نہ ہی اس میں چوتھے حصہ نور کا بارہ

ہزار سال تک مقام خوف میں رہنے کا ذکر ہے۔

آگے دیکھئے الجزء المفقود میں اس کے بعد ذکر ہے کہ اس چوتھے حصہ کو پھر چار پر تقسیم کیا گیا، جس کے ایک حصہ سے فرشتے، ایک حصہ سے سورج، ایک حصہ سے چاند اور تارے اور چوتھا حصہ مقام رجاء میں بارہ ہزار سال تک ٹھہرا رہا۔ چنانچہ اس کے الفاظ ہیں:

جعله أربعة أجزاء فخلق الملائكة من جزء والشمس من جزء والقمر والكواكب من جزء وأقام الجزء الرابع فى مقام الرجاء اثنى عشر ألف سنة جبکہ المواهب میں اس کے برعکس ہے:

فخلق من الأول السموات ومن الثانى الأرضين ومن الثالث الجنة والنار ثم قسم الرابع أربعة أجزاء

پھر اس نور کے ایک حصہ سے آسمان، دوسرے حصہ سے زمینیں، تیسرے جنت اور جہنم پیدا کئے گئے، پھر چوتھے حصہ کو چار میں تقسیم کیا گیا۔

ایمانداری سے بتلایا جائے، دونوں میں کوئی موافقت ہے؟ جن اشیاء کا تیسری تقسیم میں الجزء المفقود میں ذکر ہے، کیا ان میں کوئی چیز المواهب کی بیان کردہ روایت میں پائی جاتی ہے؟ اور الجزء المفقود میں بارہ ہزار سال تک مقام رجاء میں ٹھہرے رہنے کا ذکر اس پر مستزاد ہے۔ اس کے بعد الجزء المفقود میں ہے: وہ چوتھا حصہ پھر چار اجزاء میں تقسیم کیا گیا، ایک جزء سے عقل کو، ایک جزء سے علم وحکمت اور عصمت وتوفیق کو پیدا کیا اور چوتھا حصہ بارہ ہزار سال تک مقام حیا میں کھڑا رہا، چنانچہ اس کے الفاظ ہیں:

ثم جعله أربعة أجزاء فخلق العقل من جزء والعلم والحكمة والعصمة والتوفيق من جزء وأقام الجزء الرابع فى مقام الحياء اثنى عشر ألف سنة

اولاً تو یہاں تیسرے حصہ نور سے تخلیق کا ذکر ہی نہیں۔ شاید یہاں بھی ڈاکٹر حمیری کی نظر سے چوک ہوئی ہو، مگر کیا کیا جائے المواهب میں المصنف کے حوالے سے اس کے بالکل برعکس ہے کہ:

فخلق من الأول نور أبصار المومنين، ومن الثانى نور قلوبهم وهى المعرفة بالله، من الثالث نور إنسهم وهو التوحيد لا إله إلا الله محمد رسول الله ...... الحديث

اس کے ایک حصہ سے مومنوں کی آنکھوں کا نور، دوسرے ان کے دلوں کا نور یعنی اللہ کی معرفت اور تیسرے سے ان کے انس کا نور پیدا کیا یعنی توحید لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

دونوں روایتوں میں فرق ہر اس شخص کو نظر آتا ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نور ایمان سے نوازا ہے۔ اس کے باوجود الجزء المفقود کو المصنف عبدالرزاق باور کرانا اور اس کی سند دیکھ کر خوشی کے ڈونگرے برسانا کہ المواهب میں عبدالرزاق کی بیان کردہ سند مل گئی، ہمارے نزدیک نہاتی طفلانہ شوخی ہے۔ علم الروایہ سے معمولی شد بد رکھنے والا بھی اس فرق کو سمجھ سکتا ہے مگر افسوس! ڈاکٹر حمیری اور ان کے ہم نوا ڈھنڈورچی اسے محض نسخوں کا فرق قرار دینے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ علامہ قسطلانی نے اس کے بعد کا حصہ نقل نہیں کیا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں کے الفاظ کیا ہیں؟ المواهب کے شارح علامہ زرقانی کو المصنف کا نسخہ نہیں ملا، اس لئے انہوں نے فليراجع من مصنف عبدالرزاق مع تمام الحديث کہہ کر خاموشی اختیار کی۔

الجزء المفقود کی پہلی حدیث اور حدیث نور

اول تخلیق کے حوالے سے حضرت جابرؓ کی روایت تو معروف ہے۔ اس کے بارے میں معنوی اعتراضات اور انکے جوابات معلوم شد، ہم یہاں اس تفصیل میں جانا نہیں چاہتے نہ ہی یہ ہمارا موضوع ہے۔ لیکن اسی حوالے سے الجزء المفقود کی پہلی روایت کی سند اور ابتدائی الفاظ ملاحظہ ہوں:

عبدالرزاق عن معمر عن الزهرى عن السائب بن يزيد قال ان الله تعالىٰ خلق شجرة ولها اربعة أغصان فسماها شجرة اليقين، ثم خلق نور محمد ﷺ فى حجاب من درة بيضاء مثله كمثل الطاؤس ووضعه على تلك الشجرة فسبح عليها مقدار سبعين ألف سنة

سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔ سائبؓ بن یزید صحابی ہیں۔ یہ روایت گو مرفوع نہیں لیکن حکماً مرفوع ہے کیونکہ حضرت سائب نے جو کچھ بیان فرمایا ہے، وہ عقل وفکر کا مسئلہ نہیں نہ ہی وہ اہل کتاب سے لینے والے ہیں۔ اس کا تعلق بدء الخلق سے ہے، اس لئے یہ حکماً مرفوع ہے۔ حضرت سائبؓ فرماتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ نے ایک درخت پیدا کیا، جس کی چار شاخیں تھیں۔ اس کا نام شجرۃ الیقین رکھا پھر نور محمد کو پیدا کیا، ایک سفید موتی کے پردہ میں اس کی شکل وصورت طاؤس کی سی تھی اور اسے اس درخت پر رکھا تو اس نے ستر ہزار سال تک اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی۔

یہ بعد کی کہانی ہمارا موضوع نہیں۔ ہم صرف اتنی بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس روایت میں نور محمد ﷺ کی تخلیق شجرۃ الیقین کے بعد بیان ہوئی ہے۔ اس روایت میں تخلیق حقیقی اور اضافی کی تاویل کی بھی گنجائش نہیں، کیونکہ اس کا بیان یہاں ثم سے ہوا جو تراخی چاہتا ہے اور بیان ہے کہ طاؤس کی صورت میں یہ نور محمد ﷺ اس درخت پر بٹھایا گیا جس سے تخلیقاً آپ ﷺ کے نور کی اولیت ثانوی حیثیت میں رہ جاتی ہے۔ ڈاکٹر

حمیری نے حضرت جابرؓ کی روایت کے تحت پیدا ہونے والے اشکالات کا جواب دینے کی کوشش کی مگر حضرت سائبؓ کی روایت سے جو اشکال وارد ہوتا ہے اور تخلیق کی جو کہانی اس میں بیان ہوئی ہے، وہ حضرت جابر کی روایت کے بالکل برعکس ہے۔ افسوس ہے کہ چارہ گروں نے اس طرف مطلق توجہ نہیں دی۔ یہ پہلی روایت جو تقریباً تین صفحات پر مشتمل ہے اس کا پورا مضمون اس کے وضعی اور من گھڑت ہونے کی دلیل ہے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ اس روایت میں فرمایا گیا کہ آپؐ کے نور کو جو طاؤس کی شکل دی گئی، اس کے سر کے پسینہ سے فرشتے پیدا ہوئے۔ چہرے کے پسینہ سے عرش، کرسی، لوح و قلم، شمس و قمر، ستارے اور دیگر آسمانی اشیا بنیں، اس کے سینہ کے پسینہ سے انبیاء و رسل، علماء و صلحاء و شہدا پیدا ہوئے۔ پھر باقی اعضاء کے پسینہ سے دیگر مخلوقات بننے کا ذکر ہے۔ اسکے بعد پھر کہا گیا:

ثم سبح سبعين ألف سنة ثم خلق نور الأنبياء من نور محمد ﷺ

پھر طاؤس نے ستر ہزار سال تک اللہ کی تسبیح بیان کی، پھر انبیاء علیہم السلام کا نور آپ ﷺ کے نور سے پیدا کیا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ آپ کے عرق صدر سے انبیاء علیہم السلام کی تخلیق تو پہلے ہو چکی، اس کے بعد آپ ﷺ کے نور سے انبیاء کے نور کا پیدا ہونا چہ معنی دارد؟ پھر اسمیں تمام آسمانی اشیاء کو چہرے کے پسینہ سے پیدا ہونا بتلایا گیا جبکہ حضرت جابرؓ کی روایت میں معاملہ اس کے برعکس ہے جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس لئے یہ پہلی روایت ہی اپنی سند صحیح ہونے کے باوجود حضرت جابرؓ کی روایت کے مخالف اور اس کا متن اس کے وضع ہونے کی دلیل ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایات کسی کذاب یا وضاع کی گھڑی ہوئی ہیں۔

امام عبدالرزاق کی ہمشیرہ کا بیٹا احمد بن عبداللہ تھا جسے احمد بن داؤد بھی کہا گیا ہے۔ وہ کذاب تھا اور حدیثیں بنا بنا کر امام عبدالرزاق کی احادیث میں داخل کر دیتا تھا۔ (میزان واللسان ج ا،ص ۱۷۰،۱۹۷) کیا بعید ہے کہ یہ کارستانی کہیں اسی کی نہ ہو، ورنہ المصنف کا راوی تو اسحاق بن ابراہیم الدبری ہے اور جن حضرات نے اس کی سند سے المصنف کا سماع کیا ہے وہ نہ تو المصنف کے ناقص ہونے کا ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی کہیں ان روایات کا اشارہ کرتے ہیں جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر کے آئے ہیں۔ ہماری ان گزارشات سے یہ بات نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ الجزء المفقود، المصنف کا قطعاً حصہ نہیں۔ تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) ڈاکٹر عیسیٰ حمیری خود اس کے انتساب میں پوری طرح مطمئن معلوم نہیں ہوتے۔

(۲) اس کا ناسخ مجہول ہے، نہ اس پر محدثین کی سماعات ہیں اور نہ ہی کسی سے اس کی توثیق منقول ہے۔

(۳) المصنف کتاب اور ابواب کے تحت مرتب کی گئی ہے جبکہ الجزء المفقود میں کتاب کا عنوان نہیں۔ آخر کیوں؟

(۴) نویں صدی تک کے آئمہ محدثین المصنف کی سماعات کا ذکر کرتے ہیں نہ وہ نقص کا اشارہ کرتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے ان اسانید سے روایت کا اشارہ کیا ہے۔

(۵) یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کی اسانید سے پانچ روایات الجزء المفقود میں ہیں اور ان اسانید سے عیاں ہوتا ہے کہ یہاں سند سازی کی گئی ہے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ یحییٰ کثیر الروایہ ہیں، الجزء المفقود کی چالیس روایات میں پانچ روایات اس سے مروی ہیں، مگر المصنف میں ان کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں پائی جاتی، آخر کیوں؟

(۶) ابن جريج اخبرني البراء کی سند اس کے وضعی ہونے کی دلیل ہے۔

(۷) الزهري سمع عقبة بن عامر کی سند بھی اس کے بناوتی ہونے کا ثبوت ہے۔

(۸) عبدالرزاق اخبرنی الزهری کی سند ہی کسی کذاب کی کارستانی ہے۔

(۹) امام ابن عیینہ کو امام زہریؒ کا استاد ظاہر کرنا اس کی ثقاہت کے منافی ہے۔

(۱۰) تسمیہ وضو کی روایت کی سند تمام محدثین کی تصریحات کے خلاف اسکے بناوٹی ہونے کی دلیل ہے۔

(۱۱) حضرت جابرؓ کی حدیث نور کا متن، المواهب میں المصنف کے حوالہ سے نقل کے گئے متن کے بالکل برعکس ہے۔ اگر یہی اس کی سند ہے تو اتنا گھپلا کیوں؟ دونوں میں صحیح متن کون سا ہے اور کس ترتیب سے ہے؟ الجزء المفقود کے بعد المواهب کے بیان و تفصیل کی پوزیشن کیا ہے؟

(۱۲) الجزء المفقود کی پہلی روایت بھی حضرت جابرؓ کی حدیث کے منافی ہے۔ بلکہ وہاں تو آپ ﷺ کے نور کی پیدائش ثانوی درجہ میں رہ جاتی ہے اور اس کا پورا متن بھی حضرت جابرؓ کی روایت کے خلاف ہے اور کسی قصہ گو کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔

امید ہے کہ ہماری ان گزارشات کو ٹھنڈے دل و دماغ سے پڑھ کر سنجیدگی سے فیصلہ کیا جائے گا کہ الجزء المفقود المصنف کا حصہ ہے یا نہیں؟ کسی کتاب کے جز کا کسی امام کی طرف انتساب کوئی اچنبھے کی بات نہیں، ایسی کارستانی ماضی میں بھی ہوتی رہی ہے جیسا کہ ہم آغاز میں بحوالہ ذکر کر آئے ہیں۔

☆O☆O☆